ھنٹنگٹن کے تہذیبی نظریات اور اسلام

*ڈاکٹر ابرار محی الدین

Abstract

Mr. Samuel P. Huntington (L 2002) was a jew, Professor of International affaris of Howard University of America and the writer of the book "The Clash of Civilization and the remaking of World Order". This book is a good example of Jews conspiracy against the non-Jews. In this book he warned about the decline of western and American civilization. He also admitted the ethical superiority of Muslims even in these days. Inspite of this, he boosted the American Nation to fight against the Muslims. He thinks emigration of the Muslims toward Europe and America is a real thunder for the Western civilization. In this book he wants that Muslims and Christians should remain in warfare situation.

گب ایک نامور عیسائی مؤرخ ہے اس نے نہ صرف تہذیبوں کا مطالعہ کیا ہے بلکہ اس پر بہت کچھ لکھا بھی ہے۔ اسلام کے بارے میں اس کی تصنیف کا نام ہے "Wither Islam" اس میں اسلام کے بارے میں لکھتا ہے:

''لوگوں کے مراتب اور مختلف نسلوں کے درمیان مساوات قائم کرنے میں کسی سوسائٹی نے اس (اسلام) جیسی کامیابی حاصل نہیں کی۔ افریقہ، ہندوستان اور انڈونیشیا کے عظیم اور جاپان کے محدود مسلم معاشرے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کس طرح مختلف نسلوں اور نہ مٹنے والے اختلافات کو وہ تحلیل کرتا ہے۔ اگر مشرق ومغرب کی عظیم سوسائٹیوں میں مخالفت کی بجائے باہمی تعاون پیدا ہونا ہے۔ تو اس کے لیے اسلام کی خدمات حاصل کرنا لازمی ہے''(۱)۔

گب ہی کی بات نہیں، بنی نوع انسانیت کے لیے اسلامی تعلیمات کی افادیت کا ہر صاحب علم اور صاحب عقل معترف ہے۔ گب کی اسی بات کو ٹائن بی نے یوں بیان کیا ہے:

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

''مسلمانوں کے درمیان نسلی امتیازات کا خاتمہ اسلام کے عظیم کارناموں میں سے ہے۔موجودہ دور میں اسلامی تعلیمات کے اس پہلو کی اشد ضرورت ہے اگر کچھ دوسرے حوالوں سے مغربی اقوام عالم انسانیت کے لیے رحمت بنی ہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نسلی جذبات کے خطرناک معاملے میں یہ بدقسمت ہے''(۲)۔

اہل علم خواہ کسی قوم ومذہب کے ہوں ان کی بصیرت فکری، بصارت نظری سے بہت آگے دیکھتی ہے۔ گب اور ٹائن بی یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ مغربی تہذیب اپنی تمام مادی ایجادات اور عالمی حکمرانی کے باوجود یہ صلاحیت نہیں رکھتی کہ دنیا کے مختلف معاشروں کے درمیان امن وآشتی قائم کرسکے اور موجودہ دور کی آفاقیت"Globalisation" کے تقاضے پورے کرسکے۔

موجودہ دور میں ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) کے بین الاقوامی تعلقات کے یہودی پروفیسر سموئیل ھنٹنگٹن "Semoil P. Hintongton" نے اپنی مشہور کتاب"Clash of Civilizations" میں تہذیبوں کی مبادیات اور موجودہ تمام تہذیبوں کا تقابلی سے زیادہ تصادمی جائزہ پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ موجودہ دور ایک عالمگیر تہذیب کا متقاضی ہے اس پہلو سے انہوں نے موجودہ دور کی تمام تہذیبوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔اسلامی اور مغربی تہذیب پر کھل کر بات کی ہے جس میں اہل مغرب کو مغربی تہذیب کے زوال سے خبردار کرتے ہوئے گھٹی گھٹی زبان میں تہذیب اسلامی کے بعض محاسن کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اس مسلم تہذیبی یلغار سے خبردار بھی کرتے ہیں جو مسلمانوں کی یورپ اور امریکہ کی طرف نقل مکانی کی صورت میں سامنے آرہی ہے اور مغربی تہذیب کے لئے خود مغرب میں خطرہ بننے والی ہے اور پھر آخر میں وہ امریکہ کو اس نام نہاد عالمگیر زوال پذیر تہذیب کا علمبردار گردانتے ہوئے اس بارے میں اس کی ذمہ داریوں کی باحسن ادائیگی کے لیے کچھ تجاویز پیش کرتے ہیں۔جن کو پڑھ کر اس دانشور کے ذہن پر افسوس کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔صفحات ہذا میں ہم مذکورہ کتاب کے مندرجات کا ایک تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں چنانچہ کتاب میں تہذیبوں کی مبادیات اور مذہب کی تہذیبی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ تہذیبوں کو تشکیل دینے والا عامل مذہب ہوتا ہے(۳)۔عظیم مذہب وہ بنیاد ہوتے ہیں جن پر عظیم تہذیبیں استوار ہوتی ہیں(۴)۔

۲۔ لسانیت ونسلیت انسانوں کے اندر وہ وحدت پیدا نہیں کرتیں جو مذہب پیدا کرتا ہے۔لسانی اور نسلی ہم آہنگی اور مذہبی عدم آہنگی کے باوجود انسان انسان کی گردنیں مار سکتے ہیں(۵)۔

۳۔ تہذیبیں سرحدوں سے ماورا ہوتی ہیں(۶)۔

۴۔ ہر ملک کی اپنی تہذیب ہوتی ہے، ملکی تشخص کا تعین تہذیب کرتی ہے۔ دوسروں کی تہذیب پر قائم ہونے والے ملک قائم نہیں رہا کرتے دوسروں کی تہذیب پر قائم ہونے والے ملک شیزوفرینیا ملک ہوتے ہیں(۷)۔

۵۔ دنیا کے مختلف معاشروں میں کچھ مخصوص مشترکہ قدریں ہوتی ہیں مثال کے طور پر قتل کرنا شر ہے۔ کچھ مخصوص بنیادی ادارے تمام انسانی معاشروں میں مشترک ہوتے ہیں مثلاً خاندان یا اس کی کوئی صورت۔ اکثر و بیشتر معاشروں کے افراد یکساں اخلاقی شعور کے حامل ہوتے ہیں۔ آفاقی تہذیب کا یہ مفہوم بڑی اہمیت کا حامل ہے(۸)۔

۶۔ زمانہ قدیم سے موجودہ تہذیبوں کے درمیان دوستیاں اور دشمنیاں چلی آتی ہیں۔ سیاستدانوں اور سکالرز کو چاہیے کہ وہ ان قدیم حقیقتوں کو فراموش نہ کریں کہ سب سے خطرناک دشمنیاں دنیا کی بڑی تہذیبوں کے درمیان موجود ہیں(۹)۔

ہمارے مطابق تہذیبوں کے بارے میں ان نظریات کا حامل فرد یہ جانتا اور سمجھتا ہے کہ:

❶ کسی معاشرے کے ہر پہلو پر مذہب کی گرفت مکمل ہونی چاہیے یہ مذہبی گرفت معاشروں میں وحدت کا تصور پیدا کرتی ہے۔ نسلیت اور لسانیت اس لحاظ سے غیر مفید ہوتی ہیں۔

❷ مختلف اقوام کے درمیان باہمی اختلاط معاشرے کا لازمی حصّہ ہونا ہے۔ اس باہمی اختلاط سے تہذیبیں باہم کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں۔ تہذیبوں کا یہ باہمی ملاپ سوسائٹی کے لیے بڑا مفید ہوتا ہے اس کے نتیجے میں اصلح تہذیب اپنے اثرات کی بنا پر دوسری تہذیبوں پر اثرانداز ہوتی ہے اور یوں معاشرے سے غیر صالح روایات صالح روایات سے بدل جاتی ہیں۔ ہندوستان میں مسلم ہندو تہذیب کے باہم ملاپ کے نتیجے میں ہندو تہذیب کی متعدد روایات تبدیل ہوئی ہیں۔ ہندو سوسائٹی میں عورتوں کے حقوق میں بالخصوص ستی کی رسم ناپسند کی جانے لگی ہے۔ اس طرح مسلم تہذیب ہندوستان میں ایک مثبت تبدیلی کا باعث بنی۔ ھنٹنگٹن کے اس جملے ''تہذیبیں سرحدوں سے ماورا ہوتی ہیں'' کا یہی مفہوم ہے۔

❸ قوموں کی بقا ان کی تہذیبوں کی بقاء سے ممکن ہوتی ہے۔ کسی قوم کی تہذیب کو ختم کر دیا جائے تو قوم خود

بخود ختم ہوجاتی ہے۔شیزوفرینیا ملک کی اصطلاح کا یہی مفہوم ہے۔

مبادیات تہذیب اورقوموں کی تاریخ میں تہذیبوں کی اہمیت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ موصوف بڑے واضح انداز میں مغربی تہذیب کے زوال کی نشاندہی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ مغرب زوال پذیر ہے اگرچہ زوال کی رفتار زیادہ تیز نہیں (۱۰)۔اس سلسلے میں کہتے ہیں:

۱۔ یورپی تہذیب اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے۔امریکی اجارہ داری کی بساط لپٹ رہی ہے(۱۱)۔

۲۔ تاریخ دانوں کے پسندیدہ الفاظ کے مطابق ''مغرب کی توسیع'' ختم ہوگئی ہے اور مغرب کے خلاف انقلاب کا آغاز ہو چکا ہے(۱۲)۔

۳۔ مغرب کے زوال کی ایک وجہ ''معیشت اور آبادی سے زیادہ اہم چیز مغرب کا اخلاقی زوال، ثقافتی خودکشی اور سیاسی انتشار ہے'' (۱۳)۔

۴۔ کسی تہذیب کی بالادستی کا اندازہ اس کے زیر قبضہ علاقہ اور آبادی سے بھی لگایا جاتا ہے ۱۹۲۰ء میں مغرب اپنی علاقائی وسعت کے لحاظ سے عروج پر تھا۔اس وقت اس کے زیر قبضہ علاقے کا رقبہ ۲۵.۵ ملین مربع میل تھا۔

یعنی زمین کے آدھے رقبے پر قابض تھا۔۱۹۹۳ء میں مغرب کے زیر قبضہ علاقے کا رقبہ کم ہو کر ۱۲.۷ ملین مربع میل رہ گیا۔مغرب پسپا ہوتے ہوتے اپنے یورپی مرکز شمالی امریکہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ تک محدود ہوگیا۔اس کے مقابلے میں آزاد مسلم ممالک کا رقبہ ۱۹۲۰ء میں ۸.۱ ملین مربع میل تھا جو ۱۹۹۳ء میں بڑھ کر ۱۱ ملین مربع میل ہوگیا.....مغرب کے لوگ تعداد میں نوع انسانی کا ۱۳ فیصد ہیں جو ۲۰۲۵ء میں دس فیصد ہو جائیں گے (۱۴)۔

زوال پذیر مغربی تہذیب کے بارے میں ہنٹنگٹن کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ اس کو ۴۰۰ سال سے عروج حاصل ہے (۱۵) موصوف کا یہ دعویٰ محل نظر ہے۔

قوموں کے عروج وزوال میں یہ بتانا مشکل ہوتا ہے کہ اس کا عروج کب شروع ہوا یا اس کو زوال کب آیا قوموں کی تاریخ میں عروج وزوال کے عوامل بیک وقت موجود ہوتے ہیں فرق یہ ہوتا ہے کہ اگر عروج کے عوامل پوری طرح سامنے ہوں اور زوال کے عوامل پوشیدہ اور اثر پذیری کے لحاظ سے صفر ہوں تو یہ دور دورِ عروج کہلاتا ہے اور جب عروج کے عوامل ختم ہوجائیں اور زوال کے عوامل اپنے پورے اثرات کے ساتھ ظاہر ہوجائیں تو ایسا دور دورِ زوال کہلاتا ہے۔یورپ کا تہذیبی احیاء سترھویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا دکھائی دیتا ہے۔جس کی ابتدا برطانیہ

کے ۱۶۸۸ء کے صنعتی انقلاب سے شروع ہوتی ہے اس سے قبل پارلیمنٹ اور بادشاہ برسوں لڑے۔ دونوں کی الگ الگ فوجیں تھیں بالآخر پارلیمنٹ کامیاب ہوئی اور جمہوریت قائم ہوگئی۔ فرانس کا انقلاب ۱۷۸۹ء میں آیا وہاں ملوکیت کا خاتمہ ہوا اور جمہوری دور کا آغاز ہوا امریکہ نے ۱۷۷۴ء میں جارج واشنگٹن کی قیادت میں برطانوی استعمار کو شکست دے کر جمہوریت قائم کی روس میں اشتراکی نظام ۱۹۱۷ء میں زار کی شکست کے بعد سامنے آیا جس کا پہلا سربراہ لینن تھا اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مغربی تہذیب کا احیاء انقلاب برطانیہ ۱۶۸۶ء سے شروع ہوتا ہے۔ یورپ میں دو بڑی جنگوں نے اس کے تہذیبی ارتقاء کو ختم کر دیا۔ مغرب کا مادی ارتقا ان جنگوں کے بعد شروع ہوتا ہے اس صورت میں ۴۰۰ سالہ تہذیبی عروج کا دعویٰ محل نظر ہے جب کہ اس کے بالمقابل قابل فخر ماضی کی حامل ایک ایسی طاقت ور حریف تہذیب موجود ہے جو افادہ انسانیت کے حوالے سے تاریخ انسانیت کی بے مثال تہذیب ہے جس کا عروج دور رسالت مآب سے شروع ہوا اور جس کا مختلف اوقات میں جو زوال ہوا وہ یوں ہے۔

۱۔ عباسیوں کا زوال سقوط بغداد ۱۲۵۸ء میں ہوا۔

۲۔ سقوط غرناطہ (سپین میں) ۱۴۹۲ء میں ہوا۔

۳۔ سقوط دہلی (مغل حکومت کا خاتمہ) ۱۸۵۷ء میں ہوا۔

۴۔ ترکی میں خلافت کا خاتمہ ۱۹۲۴ء میں ہوا۔

مسلمانوں کے اس زوال کا اہم پہلو یہ ہے کہ یہ زوال سوائے پہلے زوال کے عیسائیت کے ہاتھوں آئے۔ پہلہ زوال منگولوں کے ہاتھ ہوا۔ ان کی اس فتح کو یورپی فتح نہیں کہا جا سکتا۔ منگولوں کی اپنی تہذیب تھی جو یقیناً مغربی تہذیب نہ تھی۔ سپین میں ازابیلا اور فرڈی نینڈ عیسائی تھے۔ مسلم ہندوستان کی فاتح تہذیب مغربی تہذیب تھی اس زوال کا یہ مطلب قطعی طور پر نہیں لیا جا سکتا کہ مسلم تہذیب معدوم ہوگئی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی ایک حریف تہذیب پیدا ہو رہی ہے جس کی افادیت اور استقلال کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا۔ ہمارے اس نقطہ نظر پر دلیل یہ ہے کہ مسلم تہذیب کے اس زوال کے باوجود ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد نے قسطنطنیہ فتح کیا ہے، ۱۸۲۷ء میں عثمانی حکمران سلطان محمد ثانی کے دور میں مسلم ترکی میں یونانی بغاوت کو فرو کیا گیا تو یونانیوں کی مدد کے لیے روس، انگلستان اور فرانس تینوں مل کر آئے جس میں مسلم افواج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم تہذیب کے علمبردار انیسویں صدی میں اتنے کمزور نہ تھے کہ کوئی ایک ملک ان کو شکست دے سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی تہذیب مسلم تہذیب کے خلاف متحدہ کارروائیاں کرنے لگی تھی۔ اس بارے میں

ھنٹنگٹن نے اپنے استاد اور مشہور یہودی مستشرق برنارڈ لوئیس کا ایک قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے ''تقریباً ایک ہزار برس تک سپین میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر ویانا کے دوسرے محاصرے تک یورپ کو اسلام سے خطرہ تھا۔ اسلام وہ واحد تہذیب تھی جو مغرب کی بقاء کے لیے خطرہ تھی (۱۵) (یاد رہے کہ مسلمانوں کی پہلی آمد سپین میں طارق بن زیاد کی شکل میں ۷۱۱ء میں ہوئی اور دوسری آمد عبدالرحمٰن الداخل کی صورت میں ۷۵۵ء میں ہوئی) اور ویانا کا دوسرا محاصرہ ۱۶۸۳ء میں ہوا تھا جس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی اس شکست کی وجہ بھی عثمانی حکومت کے خلاف پورے یورپ کی اخلاقی مدد کے ساتھ ساتھ آسٹریا اور پولینڈ کا فوجی اتحاد تھا۔ ویانا میں اس شکست کے باوجود مسلمان اس دور میں ایک بڑی سیاسی قوت تھے ۱۶۹۰ء میں سلیمان ثانی کے دور میں مسلمانوں نے مقدونیا فتح کیا تھا۔ بلغراد اور سرویا میں دشمن افواج کو شکست دی تھی ان تمام تفصیلات سے جو بات ہم قارئین کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ مغربی تہذیب کا عالمی اقتدار انیسویں صدی کی ابتداء میں سامنے آیا اس وقت بھی مسلمان بہر حال ایک بہت بڑی مگر کمزور سیاسی قوت تھے جبکہ یہ دور مغرب کے عروج کی ابتداء کا دور تھا۔ اس طرح مغربی تہذیب کا عالمی غلبہ ایک سو سال سے زیادہ عرصہ پر محیط نہیں ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہنٹنگٹن کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ مغربی تہذیب کا اقتدار چار سو سال پر محیط ہے ہاں اس عرصہ میں مغربی تہذیب مسلم تہذیب کے مقابل ایک تہذیب ضرور بن گئی تھی۔

محترم قارئین یہاں ایک اور بات بھی ذہن میں رکھیں کہ اس موجودہ عروج کے دور میں بھی ماضی کی طرح مغربی اقوام مسلمانوں پر یلغار کرنے کے لئے متحدہ طور پر سرِ پیکار ہوتی ہیں یہ اتحاد اقوام متحدہ سلامتی کونسل، متحدہ افواج جو پورے یورپی ملکوں پر مشتمل ہوتی ہیں جیسا کہ عراق و افغانستان میں ہو رہا ہے اور تیسرے خود مسلمانوں میں اپنے آلہ کار حکمرانوں کا استعمال، کی تثلیث پر مشتمل ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ یورپ کو اس وقت تہذیبی نہیں بلکہ صرف مادی غلبہ حاصل ہے جس کو اس قسم کے سیاسی اور فوجی اتحاد کے ذریعے قائم رکھا ہوا ہے۔ اس اتحاد کے بغیر آج بھی مغرب کے کسی ملک کو کسی مسلمان ملک کے خلاف اکیلے کاروائی کی ہمت نہیں ہوتی آج کی دنیا کو حقیقی تہذیبی غلبہ اور مادی غلبہ کے فرق کو مدنظر رکھنا ہوگا نرا مادی غلبہ قوموں کو بلآخر شراب، زنا، جوئے، انسانی استحصال اور دیگر بے حیائی کے راستوں سے زوال کی جہنم میں لے جاتا ہے جب کہ نرا تہذیبی غلبہ مادی کمی مائیگی میں بھی شرف انسانیت کے تقاضوں سے ہٹنے نہیں دیتا آج مسلم اور مغربی تہذیب کا تقابل ہمارے دعوی کی بین دلیل ہے۔ حقیقی تہذیبی غلبہ آج بھی مسلم تہذیب کو حاصل ہے اس کا بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ مسلم ممالک میں مغربی تہذیب کو اپنانے والے بھی

اس تہذیب کو زیادہ پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتے جبکہ مغربی ممالک میں مسلم تہذیب کو اپنانے والے اسے دل وجان سے قبول کرتے ہیں اس صورتحال کا قابل غور پہلو یہ بھی ہے کہ مغربی تہذیب کو قبول کرنے والے قوموں کی زندگی میں تہذیبوں کی قدر و قیمت سے ناواقف ہیں۔ جبکہ اسلام قبول کرنے والے قوموں کی تعمیر وتخریب میں تہذیبی قدروں کو بخوبی جاننے والے ہیں۔ مسٹر ڈبلیو، ایچ کویلیم (W. H. Kuilliam) برطانیہ، الیگزنڈر رسل ویب Russel Web امریکہ، ڈاکٹر مارٹن لنگز برطانیہ، علاؤالدین شلبی جرمنی، علامہ اسد پولینڈ، ڈاکٹر عمر رولف آسٹریا، ڈاکٹر غریبیہ فرانس، محترمہ مریم جمیلہ امریکہ نزیل پاکستان، محمد مارماڈیوک پکھتال، ریڈلے برطانوی صحافی جو طالبان کی قید میں رہی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مغربی تہذیب کے اساطین تھے اور تہذیبی قدروں کی خوبیوں خامیوں کو بخوبی جاننے والے تھے ان کے علاوہ ایک طویل لسٹ ایسے مغربی دانشوروں (intelligentsia) کی بھی ہے جو مسلمان تو نہ ہوئے لیکن اسلامی تہذیب کی اثر پذیری کے معترف تھے۔ جن میں مائیکل ایچ ہارٹ کی مشہور کتاب "The 100 a ranking of the most influential Influence Persons in History" ہے جس میں انہوں نے آنجناب ﷺ کا سب سے پہلے ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر مورس بکائے فرانس، تھامس کارلائل برطانیہ، لامارٹن فرانس، آرنلڈ استاد علامہ اقبال اور ایڈورڈ (یاسعید) امریکہ جیسے اصحاب علم کے نام آتے ہیں۔ آخر الذکر کی دو کتب بڑی مشہور ہیں ایک "Orientalism" دوسری "Covering Islam" ہیں علاوہ ازیں حقانیت تہذیب اسلامی نے عیسائی دنیا کے مرکز ویٹی کین کو بھی یہ اعلان کرنے پر مجبور کر دیا "islam Surpassed the Roman Catholic Church as the world largest religion"(16) تہذیبی غلبہ یہ ہوتا ہے کہ جس تہذیب کا کوئی علمبردار نہ ہو۔ جس تہذیب کی نمائندگی اس کے پیامبر اس بنا پر نہ کریں کہ کہیں ان کے مغربی آقا ناراض نہ ہو جائیں وہ تہذیب مخالف تہذیب کے دانشوروں کو اپنے حلقہ اثر میں لاتی اور اپنی اعلی اخلاقی قدروں کی بنا پر مخالف معاشروں میں سرایت کرتی جارہی ہو۔ اسلامی تہذیب کے اس غلبے کو ھنٹنگٹن صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں جب وہ مغربی ممالک کی طرف مسلمانوں کے انتقال آبادی سے پیدا ہونے والے تہذیبی خطرات سے ان ممالک کو خبردار کرتے ہیں (۱۷)۔

تہذیبوں کی اس کشمکش میں ھنٹنگٹن صاحب کو یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہئے کہ قوموں کی برتری کے فیصلے صرف سائنسی اور مادی ترقی کی بنیاد پر نہیں ہوتے اس کے لئے مادی ترقی سے زیادہ اخلاقی برتری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر ہم کہتے ہیں کہ قوموں کی اصل ہار جیت مادیات کے میدان میں نہیں

بلکہ اخلاقیات کے میدان میں ہوتی ہے۔اعلی اخلاقی روایات کے ساتھ چمٹے رہنے والی اقوام کو کبھی بھی ہرایا نہیں جاسکتا جنگ عظیم کے فاتحین میں سے برطانیہ اور مفتوحین میں جرمنی کا موازنہ کر لیجئے آج جرمنی معاشی اور سائنسی ارتقاء میں برطانیہ سے کہیں آگے ہے۔تہذیبی برتری کے حوالے سے اگر مختلف اقوام کا تہذیبی گراف دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ:

(i) ہندو تہذیب دنیا کی قدیم ترین ہے جس کے پیروکار ۷۰ سے ۸۰ کروڑ کے درمیان ہیں اور ہندوستان میں محبوس ہیں یہ لوگ اپنی تہذیب کو دنیا میں کبھی بھی روشناس نہیں کراتے اگر یہ تہذیب قابل فخر ہوتی تو ضرور متعارف کرائی جاتی۔

(ii) دوسری قدیم تہذیب یہودی تہذیب ہے جس کے پیروکار ایک کروڑ سے کچھ زیادہ ہوں گے اس تہذیب کے نا قابل فخر ہونے کا اس کے بڑا ثبوت کیا ہو کہ ھنٹنگٹن دنیا کی تہذیبوں کو زیر بحث لاتے ہیں مگر یہودی ہونے کے باوجود اپنی تہذیب کی برتری اور قابل فخر ہونے پر پوری کتاب میں ایک جملہ بھی نہیں لکھتے۔

(iii) اس کے ساتھ ساتھ تیسری تہذیب عیسائیت ہے جو دنیا کی اس وقت کی سب سے بڑی تہذیب سمجھی جاتی ہے اس کے بارے میں خود ھنٹنگٹن لکھتے ہیں کہ یہ تہذیب روبہ زوال ہے اور اس کے زوال کی وجوہات یوں بیان کرتے ہیں۔

ا۔ مغربی تہذیب یورپ میں عیسائیت کی کمزوری کی وجہ سے کھوکھلی ہورہی ہے(۱۸)عیسائیت کی کمزوری/کمزوریاں کون کون سی ہیں ھنٹنگٹن اس پر بات نہیں کرتے ہم سمجھتے ہیں کہ عیسائیت کی کمزوری کی وجہ مذہب عیسائیت کی دو خامیاں ہیں:

عیسائی مذہب کی سب سے بڑی خامی اس میں مذہب اور سیاست کی تقسیم کا فارمولا ہے۔یہ فارمولا کس نے طے کیا اس کے بارے میں کہا یہ جاتا ہے کہ اسے حضرت عیسی علیہ السلام نے خود پیش کیا تھا (متی۲۲/۲۱) لیکن یہ قول نا قابل قبول ہے دو وجوہات کی بنا پر، اول یہ کہ بائبل میں موجود آپ کی تعلیمات اس بات کی نفی کرتی ہیں دوسری یہ کہ نبی کا فرض منصبی زندگی کی تمام جزئیات میں مکمل رہنمائی فراہم کرنا ہوتا ہے نبی کیونکر زندگی کے اجتماعی شعبے کو مذہب سے آزاد کرسکتا ہے بالفرض نبی ایسا کرے بھی تو وہ اس فارمولے کی جزئیات یقیناً طے کرتے اور یہ واضح کرتے کہ زندگی کے فلاں فلاں امور مذہب سے متعلق ہیں اور فلاں فلاں سیاست سے متعلق اور یہ امور دونوں میں مشترکہ ہیں۔ایسی تفصیلات عیسائی مذہبی لٹریچر میں کہیں نہیں ملتی ہیں اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس

تقسیم کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف غلط ہے۔ بہر حال جس نے بھی یہ فارمولا وضع کیا اس نے اس فارمولے کے خوفناک نتائج کو مدنظر نہ رکھا اس فارمولے کی جزئیات میں یہ طے کرنا ضروری تھا کہ زندگی کے متعلقات میں کون کون سے پہلو مذہب سے متعلق ہیں اور کون کون سے سیاست سے۔ دوسرے اگر زندگی کا کوئی پہلو مذہب و سیاست دونوں سے متعلق ہو تو اس کو ان دو خانوں میں سے کس میں رکھا جائے گا۔ یہ جزئیات آج تک طے نہ ہو سکیں اس فارمولے کے خوفناک نتائج بھی سامنے نہ رکھے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب سیاسی امور کا تعلق مذہب سے نہ رہا تو اس پر الٰہی گرفت بھی ختم تسلیم کر لی گئی الٰہی گرفت عقیدہ آخرت کی صورت میں باقی رہتی ہے۔ عیسائیت کی دوسری خامی یہ ہے کہ اس الٰہی گرفت کو ختم کرنے کے لیے مذہبی طبقہ نے بپتسمہ (Baptism) اور کفارہ (Atonment) کے عقیدے گھڑ کر جلتی پر تیل کا کام کیا جس نے خوف خدا کا رہا سہا بھی خاتمہ کر دیا۔ ان عقائد کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ تہذیبیں جن کی پشت پر صرف اور صرف خوف خدا (موت کے بعد احتساب) ہوتا ہے وہ بھی عنقا ہو گیا اور معاشرہ اخلاقی لحاظ سے شتر بے مہار ہو گیا جس کے نتیجے میں آزادی کے ایک ایسے تصور نے ذہنوں میں گھر بنایا کہ جو جی میں آیا کہا جانے اور کیا جانے لگا اور پھر مغربی ممالک میں ایسے ایسے قوانین انسان انسانوں کے لیے بنانے لگے اور ان کے تحت ایسی ایسی آزادیاں دی گئیں کہ جن کا تصور حیوانات کی دنیا میں بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تھا عیسائیت کا کھوکھلا پن جس کی وجہ سے مغربی تہذیب بڑی جلدی سے زوال کا شکار ہوئی یعنی بمشکل ایک سو سال میں۔ اس تہذیبی زوال کی دیگر وجوہات ھنٹنگٹن نے بیان کی ہیں جو یوں ہیں۔

۲۔ مغربی تہذیب کے زوال کی دوسری بڑی وجہ مغرب کا منظّم تشدد ہے جو اس نے تیسری دنیا کے معاشروں کے لیے روا رکھا۔ اس بات کو ھنٹنگٹن نے یوں کہا ہے ''مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات کی برتری کی بنا پر فتح نہیں کیا بلکہ اس وجہ سے فتح کیا کہ اس کو منظّم تشدد کرنے میں برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ اس کو فراموش نہیں کر سکتے'' (۱۹)۔

۳۔ مغرب کا یہ منظّم تشدد کسی مثبت یا تعمیری فکر کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ یہ مغرب کے نسلی تعصب کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ ھنٹنگٹن کہتے ہیں ''جب کروز میزائل بغداد کو نشانہ بناتے ہیں تو مغرب کے لوگ تالیاں بجاتے ہیں۔ جبکہ مغرب کے علاوہ دوسرے علاقوں کے لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ مغرب غیر سفید فام عراقی فوج سے تو فوری طور پر بدلہ لیتا ہے مگر سفید فام سربوں سے انتقام لینے میں تاخیری حربوں سے کام لیتا ہے۔ کسی بھی حوالے سے دیکھا جائے تو یہ رجحان بہت خطرناک ہے'' (۲۰)۔

۴۔ مغرب کے زوال کی چوتھی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ مغرب کے اس منظّم تشدد کا نشانہ ہر جگہ مسلمان ہی بنے۔ مسلمان دنیا کی ایک ایسی قوم ہے جو اپنے تہذیبی روایات، انسانیت نوازی، اعلیٰ سیاسی کردار اور علمی خدمات کے لحاظ سے قوموں کی دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتی اور جو ایک قابل فخر ماضی کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ موجودہ دنیا کی دوسری بڑی اکثریت بھی ہے۔ اس قسم کی قوم کے خلاف منظّم تشدد کا کوئی اخلاقی یا قانونی جواز نہ تھا اس قسم کی قوم کے خلاف تشدد کا مطلب دنیا کے امن کو داؤ پر لگانا تھا۔ اس منظّم تشدد کی چند مثالیں:

(i) ایک منظّم سازش کے تحت مسلمانوں کے نمائندہ سیاسی نظام خلافت کا ترکی میں خاتمہ۔

(ii) ترکی کی اسلامی حکومت کی علاقائی اور لسانی بنیادوں پر تقسیم۔

(iii) مسلمانوں کی دولت کی لوٹ۔

(iv) مسلم ممالک کے ایوانوں میں عوام کے نمائندوں کی جگہ اپنے گماشتوں کو اقتدار میں رکھنا۔

(v) مسلمانوں کو عالمی سطح پر بے اثر کرنے کے لیے سلامتی کونسل کی نشستوں سے دنیا کی اس دوسری بڑی اکثریت (مسلمانوں) کو محروم رکھنا۔

یہ اس منظّم تشدد کی چند مثالیں ہیں مسلمانوں کے خلاف مغرب کے اس طرز عمل کا اقرار ھنٹنگٹن یوں کرتے ہیں ''مغرب اپنی اقدار اور اداروں کو آفاقیت دلوانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے اپنی عسکری اور اقتصادی بالادستی کو قائم کرنے کی کوشش کی ہے اور اسلامی ممالک کے تنازعوں میں مداخلت کی ہے'' (۲۱)۔ ایک دوسرے مقام پر وہ تیونس کے ایک ماہر قانون کے حوالے سے لکھتے ہیں ''نوآبادیاتی نظام نے اسلامی ثقافت کو مٹانے کی کوشش کی ہے (۲۲)۔ اس صورتحال میں مسلمان یہ سمجھنے میں بالکل حق بجانب تھے کہ ان کی تہذیب کو ختم کر کے خود ھنٹنگٹن کے بقول ان کے اوطان کو شیزوفرینیا زدہ بنایا جا رہا ہے۔

۵۔ مغربی تہذیب کے زوال کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس تہذیب میں وہ اخلاقی صلاحیت ہی نہیں ہے جو کسی تہذیب کے عروج اور استقلال کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہے۔ اخلاقی صلاحیت کی حامل تہذیب فرد اور معاشرے دونوں کے حقوق و فرائض کے درمیان ایک ایسا توازن قائم کرتی ہے جس سے سوسائٹی کی تمام اکائیوں (افراد ہوں یا ادارے) کے درمیان مساوات، عدل اور اجتماعی تکافل کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے یہی عناصر معاشرے کا حسن اور تہذیبوں کے عروج کی بنیاد بنتے ہیں۔ اخلاقیات کی حامل تہذیب کے اپنے مفادات نہیں ہوا کرتے بلکہ وہ تمام انسانوں کے مفادات کی محافظ ہوتی ہے۔ وہ انسان خواہ یورپ کے ہوں یا امریکہ کے، ہندوستان کے ہوں یا

اسرائیل کے نسل کے لحاظ سے کالے ہوں یا گورے، مسلمان ہوں یا غیر مسلم جس طبقے کے مفادات پر زد پڑنے کا امکان ہوگا اخلاقیات کی حامل تہذیب اس کے حقوق کے تحفظ کی خاطر پر سر پیکار ہوگی۔ مغربی تہذیب کا یہ پہلو نہایت افسوسناک ہے کہ یہ اخلاقیات سے عاری تہذیب ہے اس نے انسانوں کے حقوق کا تحفظ کرنے کی بجائے چند طبقات کے مفادات کا تحفظ کیا ہے طبقاتی مفادات کے چلن نے مغربی ممالک میں ارتکاز دولت کا یہ عالم کر دیا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کی اکثریت مغربی تہذیب کے زیر سایہ پلی بڑھی ہے اور وہاں کے عوام غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ مغربی تہذیب کی اس خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے ہنٹنگٹن کہتے ہیں ''مغربی تہذیب واحد تہذیب ہے جو دوسری تہذیبوں اور ملکوں میں اپنے مفادات رکھتی ہے اس میں کسی دوسری تہذیب یا ملک کی سیاست، معیشت اور سلامتی پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت ہے'' (۲۳)۔ اس بحث میں موصوف تہذیبوں کے تصادمی یا تقابلی پہلوؤں میں اس اہم پہلو کو بھول گئے کہ اپنے سے بہتر تہذیب سے مبازرت کا نتیجہ اپنی تہذیبی تباہی ہوتا ہے اور دوسری اصلح تہذیب کو اپنے پر پھیلانے کا موقعہ فراہم کرنا ہوتا ہے۔

تہذیب نام ہوتا ہے اپنے ماضی کی انفرادی اور اجتماعی روایات و کردار سے فکری تعلق قائم رکھنے کا اس فکری تعلق کے باوجود اگر انفرادی و اجتماعی کردار میں اس تعلق کے عملی تقاضوں سے اگر کہیں روگردانی کی جھلک نظر آئے تو اس کا قطعی مطلب یہ نہیں ہوتا کہ قوم اپنی تہذیب سے بیگانہ ہوگئی ہے۔ تہذیب کے اس فکری و عملی پہلو کو موصوف بخوبی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ وہ کہتے ہیں ''ان چیزوں (لباس، زبان وغیرہ) کی قبولیت سے قبول کرنے والوں کے رویوں میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ہوسکتا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے کسی ملک کے کچھ نوجوانوں جنہوں نے جینز پہنی ہوئی ہو کوکا کولا پیتے ہوں اور پاپ میوزک سنتے ہوں۔ نماز ادا کرتے کرتے کسی امریکی ہوائی جہاز کو بم پھینک کر تباہ کر دیں۔ ستر اور اسی کی دہائیوں میں امریکہ کے لوگوں نے لاکھوں کی تعداد میں جاپانی کاریں، ٹی وی، کیمرے اور الیکٹرانک آلات استعمال کیے۔ لیکن وہ اس سے جاپانی نہیں بن گئے۔ اس کے برعکس اس عرصے میں امریکیوں کے اندر جاپانیوں کے خلاف نفرت زیادہ ہوگئی (۲۴) آج کی مغربی دنیا مسلم نوجوانوں کو جینز پہنانے، کوک پلانے اور پاپ میوزک سنانے کے باوجود ان کے ہاتھوں میں بم کے خواب ہی دیکھتی ہے سوچ کا یہ انداز ان کی تہذیبی کم مائیگی کا عکاس ہے۔

الحاد مغربی تہذیب کا الحادی پس منظر:

یہ دور مغربی تہذیب کے عروج کا اختتامی دور ہے پوری دنیا کا میڈیا مغربی تہذیب کا نمائندہ بنا ہوا ہے اور تیسری دنیا کا ہر ملک اس تہذیب کی حربی یلغار کی زد میں ہے۔اس تہذیب کے زیر سایہ پروان چڑھنے والے مادی ارتقاء نے عقل انسانی کو ورطہء حیرت میں ڈال دیا ہے لیکن اس تمام تر کے باوجود اس تہذیب کا تاریخی پس منظر الحاط (یونانی) ہے جس کا اعتراف جناب پوپ بنی ڈیکٹ (Pope Benedict) نے ریجنبرگ یونیورسٹی (Regensberrg University) جرمنی میں "Faith and Reason" کے موضوع پر ستمبر ۲۰۰۶ء کی اپنی مشہور متنازعہ تقریر میں کیا اس پوری تقریر میں آپ نے موضوع کے حوالے سے کہیں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات وافکار کا حوالہ دینا پسند نہیں کیا اس کے برعکس عیسائی تہذیب کے رشتے یونانی تہذیب سے جوڑتے رہے جس میں آپ نے عیسائیت اور یونانی افکار کے اشتراک پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے اس اشتراک کو "A Profound Encounter" کا نام دے کر کہا "A profound encounter of faith here, an encounter between genuine and reason is taking place enlightment and religion(25)

جناب پوپ کے اسی جملے سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عیسائی مذہب کے سب سے بڑے پیشوا کو اس مغربی تہذیب کی حضرت عیسی کی طرف نسبت سے زیادہ اس کے یونانی تہذیب سے اشتراک پر بڑا فخر ہے جبکہ یونانی تہذیب کی بنیاد ایسے الحاد اور تشکیک پر رکھی گئی تھی جس میں اخلاقی ضابطوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔اس بنا پر اس (مغربی تہذیب) میں وہ تمام قدریں در آئیں جو یونانی تہذیب کا حصہ تھیں۔یونانی تہذیب کی دو خصوصیات ایسی تھیں جن کی موجودگی میں کوئی اخلاقی ضابطہ اس میں پنپ ہی نہ سکتا تھا ان میں ایک سوفسطائیت تھی۔ سوفسطائیت کے علمبردار علماء یونان کا نقطہ نظر اگرچہ فصاحت وبلاغت کی تعلیم پر مبنی تھا لیکن یہ لوگ موجودات کے حقائق تک رسائی کو ناممکن سمجھتے تھے۔اس بنا پر ان کے نزدیک مذہب اور ایمانیات بھی بحث طلب چیزیں تھیں۔یہ فسطائی علماء آگے چل کر تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے جو عنادیہ،عندیہ اور لاادریہ کہلائے۔جزوی اختلاف کے باوجود یہ تینوں تشکیک کے قائل اور حقائق اشیاء کے منکر تھے۔دوسرا گروہ ایسے علماء کا تھا جو فلاسفر کہلائے فیلسوف کا لفظ سب سے پہلے سقراط ۳۹۹ق.م نے اپنے لیے استعمال کیا۔یہ لوگ علم وحکمت کی دوستی کے دعویدار تھے۔دانشمندی کے دلدادہ تھے۔لیکن الفاظ کے الٹ پھیر کے زور پر بات منوانا ان کا طرز کلام تھا۔مذہب اور اخلاق کی ان کے ہاں بھی کوئی اہمیت نہ تھی۔ان طبقات اور ان نظریات کے اثرات یونانی معاشرے میں کیا پیدا ہوئے اس کی چند جھلکیاں

ملاحظہ ہوں۔

ابونصر فارابی ۳۳۹ھ ایک مسلمان فلسفی ہے جو فلسفہ یونان کا معتمد مفسر ہے۔اس نے اپنی کتاب ''کتاب **الجمع بین رائ الحکیمین** ''میں افلاطون اور ارسطو کے نظریات کو جمع کیا ہے۔اس میں افلاطون کے نظریات بیان کرتے ہوئے فارابی لکھتا ہے''افلاطون آبادی کو تین طبقات میں تقسیم کرتا ہے حکام،لشکر اور عوام۔ پہلے دو طبقے شہروں کے نگہبان ہیں۔ان طبقوں کو مالی پریشانیوں سے آزاد رکھا جانا چاہیے اور یہ لوگ خاندانی جذباتیت سے مبرا ہونے چاہیں۔اس طبقے کے افراد پیدا کرنے کے لیے بہترین صحت کے حامل مرد اور عورتوں کے درمیان وقتی رشتہ ازدواج ہونا چاہیے۔ان سے پیدا ہونے والے بچوں کو ایک جگہ رکھا جانا چاہیے اور عورتیں بلا امتیاز ان کو دودھ پلائیں اس طرح یہ خاص افراد پیدا کیے جائیں اور ان کی تربیت کی جائے یہ لوگ ممتاز صلاحیتوں کے مالک ہوں گے(۲۶)۔

یہ شرمناک عبارت یونانی تہذیب کے ایک عظیم نمائندے کی ہے۔شرم وحیا جس کا ہمیشہ سے ماتم کر رہا ہے۔اس شرمناکیت کے بعد وہ سفاکیت کی ایک گھناؤنی شکل کو یوں بیان کرتا ہے''اگر عوام الناس اور اہل لشکر کے بچوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے، تو وہ بچے جو جسمانی لحاظ سے ناقص پیدا ہوں یا جن کے اخلاق بگڑے ہوئے ہوں یا ایسے بیمار جن کے صحت مند ہونے کی کوئی امید نہ ہو ان سب کو قتل کر دیا جائے(۲۷)تعمیر معاشرہ کے اس افلاطونی نقطہ نظر کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

تہذیب یونان کا ایک اور نامور سپوت ارسطو اپنی قومی تعلّی کا کس قدر قائل ہے وہ بھی سنئے اور اس طرز فکر کو جی بھر کر''خراج عقیدت'' پیش کیجئے وہ اپنی کتاب''السیاست''میں قانون کی یکساں حکمرانی کا قائل نہیں ہے چنانچہ وہ کہتا ہے''قانون ملک کے تمام لوگوں کے لیے یکساں نہیں ہوسکتا اس کا مساویانہ طرز صرف نسب اور قابلیت کے لحاظ سے یکساں لوگوں کے لیے ہوگا۔حکمران طبقہ قانون سے مبرا ہوتا ہے۔ یہ لوگ بذات خود قانون ہوتے ہیں ان لوگوں کو دستور کا پابند بنانا کھلا مذاق ہے(۲۸)۔

نفاذ قانون کے بارے میں کہتا ہے''حکمران طبقے کے فرد کو عامی کے بدلے قتل کرنا خلاف انصاف ہے اس کو جلاوطن کرنا اور عام سطح کے لوگوں کے برابر ان سے سلوک کرنا یہ سب خلاف عدل ہے(۲۹)۔

اسی مغربی تہذیب کی دوسری بنیاد رومی تہذیب تھی۔ یہ ایک بت پرست تہذیب تھی اور جس کا انداز سیاست خالصتاً جھوٹے پروپیگنڈے پر مبنی تھا۔اس کی دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔۶۴ عیسوی میں نیرو کے دور میں

رومہ کی آتش زدگی مشہور واقعہ ہے عام تاثر یہی ہے کہ یہ آگ نیرو کے حکم سے لگائی گئی تھی۔ جس کا الزام مسیحیوں پر لگایا گیا تا کہ ان کو سنگین سزائیں دی جاسکیں چنانچہ مشہور مؤرخ کرین برنٹن کہتا ہے ''اس افواہ کہ (آگ بادشاہ کے حکم سے لگائی گئی ہے) کی روک تھام کے لیے ناکردہ مجرموں کو پکڑا جاتا اور انہیں سخت سزائیں دی جاتیں۔ ان پر کتے چھوڑ دیئے جاتے جو انہیں پھاڑ کھاتے یا انہیں صلیبوں سے باندھ کر رات کو آگ لگا دی جاتی تا کہ چراغوں کا کام دے سکیں (۳۰)۔

یہی کرین برنٹن آگے لکھتا ہے ''رومہ کی تاریخ میں مسیحیت کی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ اسی میں بت پرستی کی بہت سی چیزیں شامل کر لی گئیں۔ مثلاً مسیحیوں نے حیات جاودانی اور قیامت کے بارے میں جو تصورات لئے ان کا مصریوں، یونانیوں اور یہودیوں کے تصورات سے گہرا تعلق ہے (۳۱) آج عیسائی چرچوں میں حضرت عیسیٰ کی مصلوب تصاویر کی موجودگی ماضی کی اس بت پرستانہ تہذیب کی عکاسی کرتی ہے۔ اس رومی تہذیب کی اخلاقی حالت کیا تھی اس کو ہم ول ڈیوران (Will Durant) سے سنتے ہیں وہ کہتا ہے:

''اخلاقی، جنسی اور کاروباری لحاظ سے رومی سلطنت کی حالت قابل رشک نہ تھی اکثریت بدکار تھی۔ ضبط تولید حکماء کا پسندیدہ موضوع تھا اپنے اقرباء میں اس کو اہمیت دیتے تھے چوتھی صدی کے مشہور طبیب اور بیاسیس (Aribasies) نے اپنی قرابادین میں اس موضوع پر پورا باب لکھا۔ قحبہ خانے عام تھے عصمت فروشی کا دھندا برسرعام کیا جاتا جسٹینئن نے اس پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی (۳۲)۔

ہم نے یونانی اور رومی تہذیب پر کچھ زیادہ لکھ دیا لیکن یہ ہماری ضرورت تھی ان تمام کو سامنے رکھ کر اب موجودہ مغربی تہذیب کا جائزہ لیجئے تو آپ کو دونوں میں پوری پوری مماثلت دکھائی دے گی۔

چند مماثلاتی پہلو ملاحظہ ہوں:

۱۔ مذکورہ دونوں تہذیبیں خالصتاً مادی تہذیبیں تھیں جن میں خدا کو بحیثیت حاکم مطلق کبھی نہ مانا گیا یہی چیز آج مغربی تہذیب کا خاصہ ہے جس پر فخر کرتے ہوئے جناب ھنٹنگٹن کہتے ہیں ''ساری کی ساری تاریخ انسانی میں خدا اور سیاست علیحدہ ہوا کرتے تھے۔ چرچ اور ریاست کی یہی دوئی مغربی تہذیب کی اہم خصوصیت ہے (۳۳)۔ سیاست کو مذہب سے آزاد یونان اور روم کی نقالی نے کر دیا۔ اور معاشرے سے خوف خدا کا خاتمہ پاپائیت کی رسوم بپتسمہ (Baptaism) اور عقیدہ کفارہ (Atonment) نے کر دیا اور کرین برنٹن کی یہ بات بالکل صحیح ثابت ہوئی کہ مسیحیوں نے حیات جاودانی اور قیامت کے بارے میں تصورات ان تہذیبوں سے لیے تھے۔

۲۔ افلاطون اور ارسطو کے نظریات پر تعمیر ہونے والی اس مغربی تہذیب میں آپ کو افلاطون کا نظریہ آزادانہ اختلاط اور جنسی آزادی پوری طرح دکھائی دیتی ہے جس کا لازمی نتیجہ شرح پیدائش میں کمی کی صورت میں نکلتا تھا۔ چنانچہ ہنٹنگٹن خود تسلیم کرتے ہیں کہ امریکہ میں افزائش آبادی کی شرح کم ہے اور یورپ میں صفر ہے جبکہ ترک وطن کرنے والوں میں پیدائش کی شرح زیادہ ہے (۳۴)۔ رومی تہذیب کی قحبہ گری اور جسم فروشی آج امریکہ اور یورپ پر مکمل طور پر چھا چکی ہے جس کی معروفیت دلائل یا حوالوں کی محتاج نہیں۔

۳۔ ارسطو قانونی مساوات کا جو تصور پیش کرتا ہے وہ آج آپ کو پورے یورپ میں دکھائی دیتا ہے۔ مغربی ممالک کا یہ دوہرا معیار ہنٹنگٹن کے ہاں تسلیم شدہ ہے چنانچہ یہاں مقالہ ہذا کا حوالہ نمبر ۱۸ ملاحظہ ہو نیز اس دوہرے معیار کو ایک اور جگہ ہنٹنگٹن یوں بیان کرتے ہیں ''مغربی ملک غیر مغربی ملکوں کے ساتھ تو حاکم اور رعایا والا تعلق رکھتے ہیں لیکن ان مغربی ملکوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت مساویانہ ہے (۳۵)۔

یہ دوہرا معیار آپ کو زندگی کے ہر شعبے میں نظر آئے گا یہاں ہم آپ کو پاکستان میں زلزلہ زدگان کے لیے ملٹی نیشنل کمپنیوں کی امداد کا دوہرا معیار دکھاتے ہیں یاد رہے کہ امریکہ (کترینا) میں زلزلہ وسیلاب نے تباہی مچائی تھی اور پاکستان میں بھی زلزلہ آیا تھا ان دونوں آفتوں میں فرق یہ ہے کہ کترینا اور سونامی کی آفتوں میں اتنے انسان نہیں مرے جتنے پاکستانی زلزلہ میں مرے تھے۔ یہاں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طرف سے ملنے والی امداد میں عدم مساوات ملاحظہ ہو:

(i) کوکا کولا کمپنی نے پاکستانی زلزلہ زدگان کو ۰۳. ۲ ملین دیئے جبکہ اس نے سونامی اور کترینا کے لیے ۰۸. ۲۳ ملین فراہم کیے۔

(ii) یونی لیور نے پاکستانی زلزلہ زدگان کو ۰۱. ۲ ملین دیئے جبکہ سونامی اور کترینا کے لیے ۱۰ ملین سے زیادہ دیئے۔

(iii) مرک کمپنی نے سونامی اور کترینا کے لیے ۲۱ ملین ڈالر سے زیادہ فراہم کیے جبکہ پاکستان کے زلزلہ زدگان کو ایک ملین سے بھی کم دیئے۔

امداد کے اس دوہرے معیار کی تفصیل کے لیے آپ ویب سائٹ www.thenetwork.org.pk ملاحظہ کیجئے ہم نے صرف تین ملٹی نیشنل کمپنیوں کا ذکر کیا ہے وہاں آپ کو ۲۵ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی امداد کا تناسب مل جائے گا۔

۴۔ آپ نیرو کے مظالم کا سن چکے ہیں ۹/۱۱ کے امریکی ڈرامے اور نیرو کے مظالم میں کتنی مماثلت

ہے۔قارئین خود اندازہ کرلیں۔ وہاں آگ لگا کر عیسائیوں کو نشانہ بنایا گیا یہاں ۱۱/ ۹ میں خود ورلڈ ٹریڈ سنٹر (World Trade Centre) کو تباہ کر کے اس کا الزام مسلمانوں پر لگایا گیا۔ نیرو نے ہر ظلم عیسائیوں کے لیے روا رکھا۔آج امریکہ نے ہر ظلم مسلمانوں کے لیے روا رکھے ہوئے ہے۔

ہم مغربی تہذیب کے نتائج میں آپ کو یہ دکھانا چاہتے تھے کہ اس لغو تہذیب نے نہ صرف اپنے معاشرے ختم کیے ہیں بلکہ عالمی امن کا بھی خاتمہ کر کے رکھ دیا ہے۔اس تہذیب کے اسی منفی کردار کی وجوہات چار چیزیں تھیں۔ جو اس کو یونانی اور رومی تہذیب سے اپنے تاریخی تسلسل کے نتیجے میں ملی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(i) تشکیک انہیں خدا فراموشی تک لے گئی مغربی تہذیب بھی خدا فراموشی تک پہنچی۔

(ii) وہ بھی اخلاق سے عاری تھیں یہ بھی اخلاق سے نابلد ہے۔

(iii) مادی تہذیبوں کا لازمی نتیجہ طبقاتی استحصال کی شکل میں رونما ہوتا ہے ان تہذیبوں میں بھی یہی ہوا اس نے بھی اپنے معاشرے میں استحصال پیدا کر کے اپنے ہی عوام کو بھوکوں یوں مارا کہ آج امریکہ اور برطانیہ کے بڑے بینک دیوالیہ ہو چکے ہیں اور یہ سب دولت چند یہودی ملٹی نیشنل کمپنیوں کی تجوریوں میں گئی کاش مغرب یہودی ذہن کی ہوس زر کو سمجھ سکتا۔

(iv) تہذیبوں کے تصادم کا تصور ۸۰ کی دہائی میں سب سے پہلے موصوف کے استاد برنارڈ لوئیس نے دیا تھا جس کو مصنف نے کتاب کا عنوان بنا کر آگے بڑھایا ہے مسلم اور عیسائی دنیا کے درمیان موجودہ تصادم تمام تر تنازعات کے باوجود تہذیبوں کا تصادم نہیں ہے لیکن یہودی دنیا کا مفاد اسی میں ہے کہ یہ تصادم تہذیبی تصادم میں تبدیل ہو جائے جس کے نتیجے میں دونوں گھائل ہو جائیں اور یہودیت کی بنیاد پر ایک عالم گیر صیہونی نظام کی بائبل کی یہ پیشین گوئی پوری ہو جائے جس میں کہا گیا ہے

"Rejoice Rejoice people of Zion Look your king is coming to you.... your king will make peace among the nations. He will rule from sea to sea from river Euphrates to the end of the earth".(35)

موصوف کی مذکورہ کتاب کے بعض بیانات بلاشبہ کتاب کا مثبت پہلو ہیں۔مثلاً وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے موجودہ مسائل کی وجہ ان کی نمائندہ مسلم ریاست کا نہ ہونا ہے(36)۔تاہم درج ذیل خامیاں کتاب کے مثبت موضوعات کو بھی دھندلا کر دیتی ہیں۔

① موصوف تہذیبوں کے اخلاقی پہلوؤں کی اہمیت سے واقف ہیں۔موجودہ مغربی تہذیب کے اخلاقی نقائص کا اعتراف کرتے ہیں لیکن اسکی اس خامی کے ازالے کے لیے ان کے پاس کوئی متبادل تعمیری تجاویز نہیں ہیں۔

② موجودہ دور کے تہذیبی تصادم کو کم کرنے کے لیے کتاب کا کوئی ایک جملہ بھی معاونت نہیں کرتا اس کے برعکس.....

③ ماضی میں منظّم تشدد پر پروان چڑھنے والی اور حال کی زوال پذیر تہذیب کے احیاء کے لیے امریکہ کی ریاستی دہشت گردی اور غنڈہ گردی کی پالیسی کی تائید کرتے ہیں بلکہ اس کو مزید مضبوط بنانے کے لیے جو تجاویز دیتے ہیں ان پر نہایت افسوس ہوتا ہے وہ تجاویز ملاحظ ہوں۔

(i) باہمی سیاسی، معاشی اور فوجی روابط کو وسعت دی جائے۔

(ii) دوسری تہذیبوں کے اختلافات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی پالیسیوں کو مربوط بنایا جائے۔

(iii) یورپی یونین اور ناٹو کو توسیع دی جائے۔

(iv) لاطینی امریکہ کو ویسٹرنائز کیا جائے اور مغرب کے ساتھ لاطینی امریکی ممالک کا قریبی اتحاد قائم کیا جائے

(v) چین اور مسلمان ممالک کی روائتی اور غیر روائتی فوجی طاقت کی ترقی میں روکاوٹیں ڈالی جائیں۔

(vi) جاپان کے مغرب سے دوری اور چین سے قربت کے عمل کو روکنا چاہیے۔

(vii) روس کو آرتھوڈکس مرکزی ریاست تسلیم کیا جائے۔

(viii) دوسری تہذیبوں پر مغرب کی تکنیکی اور فوجی برتری کو برقرار رکھا جائے۔

(ix) دوسری تہذیبوں کے معاملے میں مداخلت کم کی جائے۔

(x) مغرب کی بقاء کا انحصار اس بات پر ہے کہ امریکی اپنے مغربی تشخص کو دوبارہ تسلیم کریں۔

(xi) مغرب والے اپنی تہذیب کو آفاقی منوانے کی بجائے اسے منفرد تہذیب منوائیں اور غیر مغربی معاشروں کا مقابلہ کرنے کے لیے اتحاد قائم کریں(۳۷)۔

قارئین کرام! یہودی ذہن کا انداز فکر ملاحظہ فرمائیں کہ مغربی تہذیب کو روبہ زوال تسلیم کیا جاتا ہے اس کے زوال کی وجہ اخلاقی برتری نہیں بلکہ منظّم تشدد بتایا جاتا ہے۔اس کو اخلاقیات سے عاری تسلیم کیا جاتا ہے۔اس کے باوجود اسی تہذیب کی دوبارہ عالمی گرفت بحال کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اس گرفت کو باقی رکھنے کے لیے

مذکورہ بالا تجاویز کے ذریعے اسی منظّم تشدد کو جاری وساری رکھنے کا قیمتی مشورہ دیا جاتا ہے۔ اور یہ مشورے بھی اس عالمی دہشت گرد ملک کو دیئے جاتے ہیں جس کی دہشت گردی نے پوری دنیا کا امن غارت یوں کیا ہے کہ جو خود امریکی اہل قلم کے ہاں بھی تسلیم شدہ ہے تفصیلات کے لیے مشہور امریکی دانشور چومسکی کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے ایک دوسرے امریکی دانشور ولیم بیلم (William Bellam) کی تصنیف (Killing Hope U.S Militiry and C.I.A) اس سلسلے کی شاہکار تصنیف ہے۔ اسی طرح امریکی ممالک میں امریکی سفیر اور C.I.A کے اہم فرد Miles Copelend مائلز کوپ لینڈ کی دو کتابیں ۔ "The Imorality of Polities" (Game of Nations) اور "The Game Player's Cofession" اس سلسلے کی اہم کتابیں ہیں۔ یہ سب کتب اس عالمی دہشت گرد کی ریاستی دہشت گردیوں کی تفصیلات فراہم کرتی ہیں جن کا نشانہ تیسری دنیا مسلسل بن رہی ہے۔ موصوف کی مذکورہ تجاویز کو پڑھ کر دو امریکی پروفیسرز جان میرشیمر (John Mearshimor) اور سٹیفن ایم۔ والٹ (Stephn M. Walt) کی اس رپورٹ کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں رہتا جو ۲۱۱ حوالہ جات سے مزین (Israel Lobby and U.S. Foreign Polics) کے نام سے "Google" پر بھی موجود ہے جس میں ہر دو اہل علم نے دلائل سے بتایا ہے کہ امریکی خارجہ پالیسی مکمل طور پر یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس عالمی حکمران کو یہ قیمتی مشورے دیتے ہوئے موصوف نہ جانے یہ کیوں بھول گئے کہ تہذیبی برتری ہمیشہ اخلاقی بنیادوں پر قائم کی جاتی ہے نہ کہ اسلحہ اور فوجوں کے زور پر۔

یہ دلائل دیتے ہوئے موصوف اس سے کبھی بے خبر نہیں ہو سکتے کہ ماضی میں مقامی ریڈ انڈینز کی سرزمین پر قبضہ کرنے کے لئے ان کے خون کی ہولی کھیلنے سے لے کر جاپان کے خلاف ایٹمی ہتھیاروں کا استعمال اور ویت نام میں اس ملک کی دہشت گردی دنیا کے ذہنوں سے محو نہیں ہوئی ہے۔ موصوف یہ بھی بخوبی جانتے ہیں کہ پانامہ پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے کولمبیا اور پانامہ کے ساتھ جس سفارتی حسن اخلاق کا امریکہ نے مظاہرہ کیا ہے وہ نہایت قابل شرم ہے۔ لاطینی ممالک کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے کا مشورہ دیتے ہوئے لاطینی ممالک میں امریکن C.I.A کے ذیلی ادارے ASO امریکن سکول آرگنائزیشن کی قتل وغارت گری سے بھرپور دہشت گرد کاروائیاں بھی ان کے ذہن میں موجود ہوں گیں۔ معلوم نہیں یہ تجاویز دیتے وقت کون سے تہذیبی اصول موصوف کے ذہن میں تھے اور کون سی مزید ''انسانیت کی خدمت'' اس عالمگیر دہشت گرد سے وہ لینا چاہتے ہیں۔

جس تہذیب کا زوال پذیر ہونا موصوف کو تسلیم ہو جس کے زوال کی وجوہات موصوف خود بیان کرتے

ہوں۔جس تہذیب کے معاشرتی اثرات بد سے موصوف کے مطابق خود امریکی بھی محفوظ نہ ہو۔اور جس تہذیب کے نتائج بد کا اقرار موصوف کا قلم یوں کرتا ہو:

① غیر معاشرتی رویوں کا فروغ مثلاً جرائم ،منشیات کا استعمال اور تشدد۔

② خاندان کا زوال طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح، ناجائز تعلقات ،ٹین ایج حمل اور واحد والدہ و والد پر مشتمل گھرانے کا عدم وجود۔

③ امریکہ میں ''سماجی سرمائے'' کی کمی۔

④ اور اخلاقیات کی عام کمزوری۔

⑤ تعلیم اور فلسفیانہ سرگرمیوں سے کم ہوتی دلچسپی (۳۸)۔

(قارئین میں سے جو احباب ان معاشرتی اثرات کی تفصیل دیکھنا چاہیں وہ سابق صدر امریکہ جناب جمی کارٹر کی "Our Endangared Value"اور پیٹرک جے بکنان (Patrick J. Buchnan) کی"The Death of West" کو ملاحظہ کرلیں)

ان تجاویز کا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ ماضی کی طرح عیسائی اور مسلم دنیا کو مسلسل تنازعات کی کیفیت میں رکھ کر صیہونی مفادات سمیٹے جائیں اور ایک صیہونی عالمی سٹیٹ قائم کی جائے ماضی کی دو عظیم جنگوں میں پورا یورپ بالخصوص اور باقی دنیا بالعموم گھائل ہوگئی تھی لیکن یہ جنگیں صیہونی مالی مفادات کا تحفظ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو اسرائیل کی شکل میں ایک یہودی ریاست بھی دے گئیں۔

(۴) چوتھی تہذیب دنیا میں مسلم تہذیب ہے۔اس تہذیب کا خاصہ یہ ہے کہ اس تہذیب کے نام لیوا تاریخ میں فتح بھی پاتے رہے اور انہیں شکست بھی ہوئی۔لیکن اس تہذیب نے کبھی بھی شکست نہیں کھائی یہ تہذیب مغربی اور امریکی معاشرے میں اس وقت بھی سرایت کررہی ہے۔امریکہ کے مشہور رسالے ''کرسچین سائنس مانیٹر'' ۲۷ دسمبر ۲۰۰۴ء میں ''کرسٹائن امریو'' کی ایک رپورٹ بعنوان ''لاطینی امریکی اسلام میں اپنے سوالوں کے جوابات ڈھونڈتے ہیں'' شائع ہوئی جس میں قبولیت اسلام کی بڑھتی ہوئی رفتار کو تفصیلی ذکر کیا گیا ہے جس میں بتایا گیا کہ قبول اسلام کا اہم سبب وہ احترام ہے جو اسلام عورت کو دیتا ہے۔رپورٹ کے مطابق امریکہ میں چالیس ہزار لاطینی امریکی نومسلم ہیں جبکہ ۲۰ ہزار لاطینی امریکی ہر سال اسلام قبول کرتے ہیں رپورٹر بتاتے ہیں کہ جب ایک نومسلم خاتون ''جیسمن پائی نیٹ'' سے قبول اسلام کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے بتایا کہ کہ مسلمان ہمیں "Hello

"Sister" کہہ کر خطاب کرتے ہیں ہمیں جنسی کھلونا نہیں سمجھتے'' یورپی ماہرین کا خیال ہے کہ اس وقت اٹلی میں ۱۰ لاکھ مسلمان اور ساڑھے چار سو مساجد ہیں جرمنی میں ۳۰ لاکھ مسلمان ہیں اور ۱۴۰۰ مساجد ہیں جرمنی میں مسلم آبادی کا تناسب ۷. ۳ فیصد ہے۔ برطانیہ میں ۲۰ لاکھ مسلمان ہیں اور ۶۰۰ مساجد ہیں جبکہ ۱۹۶۳ء میں برطانیہ میں صرف تیرہ مسجدیں تھیں۔ فرانس میں اس وقت ۸۰ لاکھ مسلمان ہیں اور وہاں ۱۳۰۰ مساجد ہیں مسلمان اس وقت فرانس کی سب سے بڑی اقلیت ہیں امریکہ میں اس وقت ایک کروڑ مسلمان ہیں جبکہ امریکی حکومت کے اعداد وشمار کے مطابق یہ تعداد ۷۰ لاکھ ہے جو کل آبادی کا ۶ فیصد ہیں۔ کینیڈا میں ۱۱/ ۹ کے بعد اسلام قبول کرنے کی شرح میں ۹. ۱۲۸ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ راقم کے قریبی عزیز برطانیہ میں مقیم ہیں ان کا کہنا ہے کہ برطانوی اخبارات کے مطابق ملک میں اسلامی کتب کی خریداری میں خوفناک حد تک اضافہ ہوا ہے (یاد رہے کہ فرانس میں یہودی ۱۵ لاکھ ہیں اور فرانس کا موجودہ صدر نکولس کوزی خاندانی متعصب یہودی ہے) اس قبولیت اسلام نے ھنٹنگٹن کو بھی اس بات پر مجبور کیا ہے کہ وہ لکھیں ''مسلمان اور ایشیائی معاشرے اخلاقی حوالے سے بہت بلند ہیں۔ مغربی ثقافت کو مغربی معاشروں کے داخلی گروپوں کی طرف سے چیلنج کا سامنا ہے دوسری تہذیبوں کے تارکین وطن ان معاشروں میں ضم نہیں ہو رہے''۔ وہ اپنی اقدار، رسوم ورواج سے وابستہ بھی ہیں اور اس کو پھیلا بھی رہے ہیں (۳۹)۔

موصوف کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی اخلاقی برتری کو تسلیم کرنے کے باوجود مغرب اور امریکہ کی طرف ان کی انتقال آبادی کو تہذیبی خطرہ سمجھتے ہیں صرف اس بنا پر کہ وہ وہاں کی اس ثقافت کا حصّہ نہیں بن رہے جس ثقافت کے خدوخال بیان کر کے موصوف خود پریشان ہیں۔ اور جن لوگوں کی اخلاقی برتری موصوف کے ہاں مسلمہ ہو ان کو اس مغربی سوز تہذیب کا حصّہ کیوں بننا چاہیے۔ موصوف تہذیبوں کے ارتقاء کے اس اصول کو شاید بھول گئے کہ تہذیبیں افادیت عامہ کی بنیاد پر پروان چڑھا کرتی ہیں۔ یہ افادیت عامہ ایسی چیز ہے جو ہر انسان کے فکری وفطری مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔ وہ اعلیٰ انسانی اخلاقی قدروں سے بحث کرتی ہے۔ اور معاشرے میں احترام، مساوات، ایثار کے جذبات کو پروان چڑھاتی ہے۔ موصوف کو اس انتقال آبادی "Immigration" سے پریشان نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ معاشروں میں یہ انتقال آبادی ہوا کرتا ہے اور مصنف کے بقول ''تہذیبیں سرحدوں سے ماورا ہوئی ہیں'' کا مطلب بھی انتقال آبادی ہوتا ہے۔ یہ مسلم "Immigration" یورپی معاشرے کے لیے مثبت نتائج پیدا کرے گی اسی طرح کہ مسلمان اپنی صحت مند روایات ساتھ لے کر جا رہے ہیں اپنے اخلاقی ضابطے ان معاشروں میں متعارف کرا رہے ہیں۔ اس انتقال مسلم کا لازمی نتیجہ سوسائٹی کے لیے یہ ہوگا کہ:

1. جرائم اور تشدد کے فروغ کو روکا جا سکے گا۔
2. خاندانی نظام بحال ہوگا۔شرح آبادی بہتر ہوگی جو بقول مصنف یورپ میں صفر فیصد ہوگئی ہے۔
3. ٹین ایج حمل ختم ہوں گے۔
4. سماجی سرمائے، اخلاقی روایات میں بہتری آئے گی۔

اگر ہماری اس بات پر یقین نہ ہو تو کسی بھی مسلم ملک کے معاشرے کا جائزہ لیجئے وہاں آپ مغربی معاشروں میں پائی جانے والی مادی فراوانی کی کمی کے باوجود جرائم اور تشدد کم دیکھیں گے۔خاندانی نظام جوں کا توں ہے۔اور مسلمان ابھی بھی اپنے اخلاقی نظام پر فخر کرتے ہیں۔مسلمانوں کی یہ صحت مند روایات مغربی تہذیب کی ضرورت ہیں۔

موجودہ دور ایک "Globalised" دور ہے اور مادی ارتقا کے لحاظ سے اعلیٰ ترین ہے۔ان مادی جدتوں نے زندگی کو تیز تر کر دیا ہے۔ان دونوں خصوصیات نے انسانی سوسائٹیوں کو مثبت رجحانات دینے کی بجائے منفی ڈگر پر لگا دیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جغرافیائی فاصلوں کی کمی کے بعد وجود میں آنے والی آفاقیت کے نتیجے میں انسان انسان کے دکھ درد کا مداوا بنتا۔امیر ممالک غریب ممالک کا معیار زندگی بہتر بناتے، مادی ایجادات کو دولت سمیٹنے کا ذریعہ بنانے کی بجائے افادیت عامہ کے اصول کے تحت انسانی مفادات کے لیے کام کیا جاتا لیکن ایسا نہ ہو سکا۔جدتوں نے انسانی تعلقات میں بگاڑ پیدا کیا۔خود ھنٹنگٹن کے مطابق ''جدیدیت بے گانگی اور اجنبیت کے احساسات کو جنم دینے کا باعث بنتی ہے اس مسئلے کا حل مذہب پیش کرتا ہے۔ بنیادی اعتبار سے دنیا جدید تو زیادہ ہو رہی ہے لیکن مغربی کم (۴۰)۔اس صورت حال کا حل ایسا مذہب پیش کر سکتا ہے جو "Ecuminism" کی بنیاد پر تراشا نہ جائے۔ بلکہ موجودہ انسانیت کو درپیش صورت حال کا تجزیہ کر کے تلاش کیا جائے جو مذاہب/ مذہب تراشے جاتے ہیں وہ مذہب نہیں ہوتے مذہب نما ہوتے ہیں۔مذہب "God Gifted" ہوتے ہیں "Man Made" نہیں ہوتے۔موجودہ مروجہ عیسائی مذہب نا کام اس بنا پر ہوا ہے کہ اسے پولس نے تراشا تھا۔اگر اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تلاش کیا جاتا تو مغربی تہذیب کبھی بھی کھوکھلی نہ ہوتی اور ھنٹنگٹن پریشان نہ ہوتے۔

مصنف موجودہ آفاقی دور میں ایک آفاقی مذہب کی ضرورت محسوس کرتے ہیں (۴۱) لیکن وہ مذہب کن خصوصیات کا حامل ہو یہ نہیں بتاتے ہم مصنف کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ ایک آفاقی مذہب آج کی

ضرورت ہے جس میں درج ذیل خوبیاں پائی جانی ضروری ہیں۔

۱۔ مغرب نے مسائل حل کرنے کی بجائے ہمیشہ مسائل پیدا کئے ہیں اس کا پیدا کردہ سب سے بڑا مسئلہ معاشی استحصال اور اخلاقی بے راہ روی ہے اس بنا پر آفاقی مذہب ایسا ہو جو موجودہ عالمی معاشی استحصال اور اخلاقی بے راہ روی کے آگے بند باندھے جو ایک مکمل ضابطہ حیات رکھتا ہو اور اپنی الہامی تعلیمات کے ایک ایک جز کی نسبت بواسطہ نبوت اللہ سے جوڑتا ہو۔ آفاقی تہذیب کی بنیاد ایسے آفاقی مذہب پر ہی رکھی جاسکتی ہے رحمٰن سے قربت نہ رکھنے والے کسی فرد کا بنایا ہوا کوئی ضابطہ وہ یونانی ہو یا رومی بنی نوع انسان کے لئے مفید ثابت نہیں ہوا۔

۲۔ اس آفاقی معاشرے کی تمام ضروریات کی تکمیل آفاقی اصولوں کی بنیاد پر کرتا ہو یعنی تمام بنی نوع انسان کو بلاتفریق مذہب وملت متحد کرتا ہو اور تمام کے حقوق کا بلا امتیاز محافظ ہو اور یہ فریضہ سرانجام دیتے ہوئے مختلف معاشرتی میں موجود مشترکہ قدروں کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہو

۳۔ جدیدیت کی بھرپور حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ اس کے منفی اثرات (ھنٹنگٹن کے مطابق معاشرتی رشتوں کی ٹوٹ پھوٹ) سے نہ صرف انسانیت کو بچائے بلکہ ان رشتوں کو اخلاقی ضابطوں کی بنیاد پر مضبوط کرے قانونی بنیادوں پر نہیں اخلاقی ضابطے خود احتسابی کا احساس پیدا کر کے معاشرتی حسن کا باعث بنتے ہیں مجرد قانون یہ کام نہیں کرسکتا۔ تہذیب مغرب نے موجودہ دور کے انسان کو معاشی استحصال، اخلاقی بے راہروی اور معاشرتی رشتوں واداروں کی توڑ پھوڑ کے ذریعے گھائل کر دیا ہے۔ یہ تین اہم مسئلے ہیں جن کا حل ڈھونڈنے کے لئے آج کا انسان نکل کھڑا ہے ان مسائل کا حل اس کو بالاخر اسلام کی تعلیمات ہی میں ملے گا کہیں اور نہیں اس لئے کہ اسلام آج بھی مسائل کی شکار بنی نوع انسان کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

سوئے مادر آ کہ تیمارت کنند

حوالہ جات

۱۔ H. A. R. Gibb, "Wither Islam", P.379, London 1932.

۲۔ Toynbee, A. G. "Civilization on Trail", P.205, New York

1948.

۳۔ تہذیبوں کا تصادم (ترجمہ) Semoil. P. Hatington by "Clash of Civilization"

مترجم عبدالمجید طاہر، ص۳۹، نگارشات پبلشرز ۳۴ مزنگ لاہور۔

۴۔ ایضاً، ص۳۹۔

۵۔ ایضاً، ص۳۳۱۔

۶۔ ایضاً، ص۳۴۔

۷۔ ایضاً، ص۱۷۷

۸۔ ایضاً، ص۴۷۔

۹۔ ایضاً، ص۱۲۔

۱۰۔ ایضاً، ص۶۷۔

۱۱۔ ایضاً، ص۱۸۰۔

۱۲۔ ایضاً، ص۴۴۔

۱۳۔ ایضاً، ص۱۷۶۔

۱۴۔ ایضاً، ص۶۹۔

۱۵۔ ایضاً، ص۴۸۔

۱۶۔ خبرنامہ جیو، مورخہ ۳۱ مارچ ۲۰۰۸ء، رات ۱۱:۴۵۔

۱۷۔ Pope lecturer down loaded from net.

۱۸۔ تہذیبوں کا تصادم، ص۱۷۶۔

۱۹۔ ایضاً، ص۴۲۔

۲۰۔ ایضاً، ص۵۰۔

۲۱۔ ایضاً، ص۱۴۲۔

۲۲۔ ایضاً، ص۱۴۳۔

۲۳۔ ایضاً، ص۶۵۔

۲۴۔ ایضاً، ص۵۰۔

۲۵۔ Pope's Speach Down Loaded From Google.

۲۶۔ فارابی، ابوالنصر محمد بن محمد، ۹۵۰ء، ''کتاب الجمع بین رائی الحکیمین''، ص۱۷، ۱۸، بیروت۔

۲۷۔ ایضاً،ص۱۸۔

۲۸۔ ایضاً،ص۳۹۔

۲۹۔ السیاسۃ،ص۲۱۷۔

۳۰۔ ایضاً،ص۲۳۴۔

۳۱۔ Cerane, Brinton, History of Civilization, 1/182.

۳۲۔ Ibid, 1/188.

۳۳۔ Will Durant, The age of Faith, P.120.

۳۴۔ تہذیبوں کا تصادم،ص۵۲۔

۳۵۔ Old Testament,Zechariah, 9/9.12

۳۶۔ ایضاً،ص۷۸۔

۳۷۔ ایضاص۴۳

۳۸۔ ایضاً،ص۱۳

۳۹۔ ایضاً،ص۱۷۶

۴۰۔ ایضاً،ص۱۷۶

۴۱۔ ایضاص ۶۲